خاموشی توڑیئے--- صنف اور طاقت کا توازن

قابل بنانا اور اختیار دینا:

ہم آپکو سن رہے ہیں _ طاقت،سماجی میل جول اور جنس

پاڈکاسٹ کے متعلق معلومات

پاڈکاسٹ کا سلسلہ اورقسط نمبر: قابل بنانا اور اختیار دینا ،قسط 1/3

پاڈکاسٹ کا نام: ہم آپکو سن رہے ہیں _ طاقت،سماجی میل جول اور جنس

پاڈکاسٹ کا دورانیہ:31 منٹ

میزبان:مونیکا موجمدار اورکیٹ کلیٹن ہیتھوے

شاملِ گفتگو: منظور صاحب جو کہ خاموشی توڑ یئے سروسز کے سربراہ ہیں

پاڈکاسٹ قسط کی نقل

میزبان: مونیکا موجمدار اورکیٹ کلیٹن ہیتھوے

مہمان: عمران منظور

کیٹ: ہیلو میں کیٹ ہوں۔

مونیکا: ہیلو میں مونیکا ہوں اور یہ ایلمور اور آکسفورڈ اگیسٹ کٹنگ کی مشترکہ پاڈکاسٹ ہے جسکا موضوع ہے " قابل بنانا اوراختیار دینا "۔

آکسفورڈ اگیسٹ کٹنگ ایک حقوق پر مبنی خیراتی ادارہ ہے جوکہ لڑکیوں اور خواتین کے ساتھ ہونے والےغلط اقدامات کے خاتمے کیلئے کام کرتا ہے-ان حقوق میں عورتوں کے تناسلی اعضاء کا کاٹنا، عزت کے نام پر ظلم، نو عمری اور ذبردستی کی شادی اور عورتوں کے تناسلی اعضاء کو خوبصورت بنانے کیلئے جراحی شامل ہیں-

ٹام: ہائے میں ٹام ہوں-ایلمور کا چیف ایگزیکٹو آفیسر- ایلمورآکسفورڈشائر کا ایک ایسا خیراتی ادارہ ہے جو مشکل ضروریات، ذہنی/دماغی صحت اور گھریلو زیادتی جیسے مسائل کا ہدف بننے والے لوگوں، جو ایک ہی وقت میں کئ مسائل کاشکار ہو سکتے ہیں کیلئے کام کرتا ہے- ایلمور مظلوم اور جرم کرنے والوں کیلئے پروگرام مہیا کرتا ہے آکسفورڈشائر" نیو فیملی سلیوشنز پلس سروس" کے تحت،جیسے آکسفورڈ شائر کونٹی کونسل فنڈ کرتی ہے- یہ پاڈکاسٹ تھمیز ویلی پولیس کرائم کمیشنر کی فنڈنگ سے تیار کیا گیا ہے-

کیٹ: آج کی نشست میں ہم عمران منظور سے گفتگو کریں گے جو " خاموشی توڑیئے" سے ہیں-ہمارا موضوع ہے" صنف اور طا قت کا اختیار ،مختلف سماجی گرہوں کا آپسی میل جول"-

مونیکا: آغاز سے پہلے میں یہ کہنا چاہوں گی کہ اس پاڈکاسٹ میں حساس موضوعات پر بات ہو گی جیسکہ بچپن میں زیادتی، شدید جذباتی تجربہ، گھریلو زیادتی اور مذہب کے نام پر ظلم- اسلئے یہ سولہ سال اور اس سے بڑوں کےلیے مناسب ہے-

عمران آج ہمارےلیے وقت نکالنے اور یہاں آنے کیلئے شکریہ-میں مائیک آپکو دے رہی ہوں، ہمیں اپنے اور اپنے کام کے بارے میں کچھ بتائیے-

عمران: مجھےمدعو کرنے کیلئے شکریہ-جیسے آپ نے کہا میرا نام عمران ہے اورمیں شمالی انگلینڈ سے ہوں-میرے تلفظ سے آپکو اندازہ ہو ہی گیا ہو گا- جنوبی ایشائی مرد جو بچپن میں زیادتی کا شکار ہوے ہوں انکے ساتھ کام کرنے کی سروس میں کئ سالوں سے مہیا کر رہا ہوں -میں نے2012 میں یہ کام خصوصاً بچپن میں جنسی زیادتی کا شکار ہونے والے نوجوانوں کیلئے شروع کیا جو میری خدمات حاصل کرنے کیلئے بھیجے جاتے تھے-

میں ایک تھیراپسٹ اور سائیکولوجسٹ کےطور پرکام کرتا ہوں- اس وقت سن2000 میں دنیا کے سیاسی حالات نے ایسے نوجوانوں کی تعداد بڑھا دی تھی-یہ کریمنل جسٹس سسٹم کاحصہ بنے ہوے تھے- یہ نوجوان جب جنسی زیادتی کا شکار ہوتے تو ان میں سے کچھ سکول یا جیل کے عملے سے

شکایت کرتے لیکن عموماً رویہ یہی تھا کہ کمیو نٹی لیڈر کو مطلع کریں ہم خود اس معاملے میں نہ پڑیں-

بےشک یہ بات ان ناچندہ کمیو نٹی لیڈرز کے حق میں تھی کہ ان معاملات کو دبا دیں اور کوئی مثبت اقدام نہ لیں-دراصل یہ نوجوان غائب ہونے لگے،کچھ کو پاکستان،انڈیا اور بنگلا دیش بیھج دی گیا، کچھ ملٹری سکول بیھج دئیے گے کیونکہ سوچا یہ جا رہا تھا کہ یہ نوجوان مغربی آزاد خیالی کا شکار ہو رہے ہیں-انہیں سخت تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے، انکے والدین نے کیا کچھ برداشت کیا ہے اور اسطرح انکا مزاج درست ہو جائے گا-

کئ دفعہ یہ گمان کیا گیا کہ فلاں نوجوان ہم جنس پرست ہیں- ہم اس ملک میں تو سختی نہیں کر سکتے اسلیے انہیں پاکستان لے جائیں اور وہاں ذبردستی سزا کے طور پر لڑکیوں سے شادی کروا دیں-
ہم شروع میں تھوڑی تعداد کے ساتھ کام کر رہے تھے،سال میں پندرہ مرد ہمارا ہدف تھا-تین سال میں ہم نےسو سے اوپر مردوں کے ساتھ کام کیا اور اب دس سال بعد پچھلے ایک سال میں لاکڈاؤن کے دوران ہزار سے زیادہ کالیں آ چکیں ہیں-ہماری سروس بڑھ گئ ہے ہم اب بچپن میں جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں سے لے کر بچپن میں ہر طرح کی زیادتی چاہے وہ جسمانی ہو یا جذباتی کا شکار ہونے والوں کے ساتھ کام کرتے ہیں-

ہم اور بہت سے کاموں کے علاوہ تربیت بھی دیتے ہیں روحانی ظلم ،نسلی تفریق، مردانگی سے کیا مراد ہے جیسے موضوعات پر- فون پر بھی مدد میسر ہے اورجو لوگ چاہتے ہیں انکے لیے تین مراحل پر مبنی تھراپی پروگرام ہے جو آجکل کووڈ کیوجہ سے آن لائن ہے-

مونیکا: شکریہ عمران آپ بہت اچھا کام کر رہے ہیں اور ایک عرصے سے اسکی ضرورت تھی-میں امید کرتی ہوں کہ یہ نہ صرف پھیلے گا بلکہ جاری رہے گا-آپ معاشرے کی بہترین خدمت کر رہے ہیں-
عمران: شکریہ

مونیکا: آپکا بھی- میں جاننا چاہ رہی تھی کہ آپ نے اپنے کام میں لڑکے اور لڑکیوں کی پرورش میں کیا فرق دیکھا-یا آپکی اپنے تہذیبی پس منظر کے لحاظ سےکوئی رائے ہو؟ میں جانتی ہوں آپ لڑکیوں کے بارے میں بات نہیں کر سکتے مگر یقیناً آپ کو اپنی پرورش کے دور میں دونوں کے فرق کے بارے میں کچھ تجربہ ہو گا-

عمران: جی ہاں جہاں تک مشاہدےکا سوال ہے میرا تعلق ایک بڑے ایشائی کنبے سے ہے جو شمالی انگلینڈ میں رہتا ہے مگر میں نے اپنے کلائنٹس کو بھی دیکھا ہے اور ہم کافی نفسیات پر مبنی تعلیمی

کام بھی کرتے ہیں۔جیسےکہ مرد کا گھر کا سربراہ ہونا ، مردانگی سے کیا مراد ہے اورجدید معاشرے میں مرد کا کردار۔

یہ انتہائی دلچسپ بات ہے کہ پرورش کے دوران لڑکے اکثر زیادہ چھوٹ لے جاتے ہیں حالانکہ آگے چل کر خاندان کی عزت کی ذمہداری انکے سر ہوتی ہے۔شاید مرد کیلئے گھر کا سربراہ ہونے کا یہی فائدہ ہے،ماز نے یہی کہا تھا نا۔{ریفرنس}

اسکے پاس اپنے محدود معاشرے اور تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوے سارا اختیار ، عزت اور خاندان کے فیصلوں کی طاقت ہو تی ہے مگر اپنےلیے من مانی کی آذای بھی ہوتی ہے۔اسکے غلط جنسی رویوں کو آسانی سے درگزر کیا جاتا ہے۔اگر شادی کے بعد وہ کسی سے ناجائز تعلق رکھے تو وہ قابل قبول ہے یا اسے برداشت کیا جائے اور کئ دفعہ تو اسکے اس عمل کی حمایت بھی کی جاتی ہے۔

میں نے ایسے چند سوالات اپنی خواتین ساتھیوں کے سامنے بھی رکھے کیونکہ میں جوان نسل کی رائے جاننا چاہتا تھا۔ان کے جوابات سے مجھے حیرانگی ہوئی۔کیونکہ انکے خیال میں لڑکیوں کی، جوان عورتوں کی عزت انتہائی اہم جذباتی معاملے ہیں۔وہ خود یہ ذمہداری نہیں اٹھا سکتیں یہ مردوں کا کام ہے۔نوجوان مرد جو برطانیہ میں پیدا ہوے اور پلے بڑھے حقیقتاً ان خیالات میں یقین کرنے لگتے ہیں کہ انہیں اپنی چھوٹی بہن کی حفاظت کرنی ہے اور اس پر نظر رکھنی ہے۔انہیں مسلسل یہ باور کروایا جاتا ہے۔میرے خیال میں ایسا کرنے سے حفاظت سے متعلق بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔
نوجوان خواتین جن سے بات ہوئی انکا کہنا تھا کہ لڑکیوں کو اسلئے روکا جاتا ہے کہ باہر لڑکے ہیں۔ لڑکوں کو اپنے دوستوں کے ساتھ باہروقت گزارنے کی اجازت ہے۔ وہ کالج یا یونیورسٹی جاتے ہیں۔

کچھ نوجوان خواتین اپنے خاندانی نسب و رواج کے مطابق خاندانی تقریبات میں بھی شریک نہیں ہو سکتیں جبکہ لڑکوں کو باہر جانے کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔میں توقع کرتا ہوں کہ ایسا ہر جگہ نہیں ہوتا۔ لڑکیوں کو لڑکوں کیطرح مختلف شوق رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی،میری رائے میں ایسا کرنے کا انکے بڑوں کو حق نہیں۔

جن نوجوان خواتین سے میں نے بات کی انکا کہنا تھا کہ بجائے اسکے کہ لڑکوں کو عورتوں کے لیے ادب اور احترام سیکھائیں وہ لڑکیوں کے باہر جانے پر روک ٹوک لگاتے ہیں۔ لڑکیاں باہر جا کے خوش نہیں ہو سکتیں انہیں گھر پے ہی اپنی خوشی ڈھونڈنی ہے۔ان میں سے کچھ باتیں میرے لیے حیران کن تھیں کیونکہ میرے خاندان میں تو میری بہنوں کیلئے یونیورسٹی جانا ضرروی تھا تاکہ وہ تعلیم یافتہ ہو سکیں۔

ایک اور خیال بھی عام ہے کہ لڑکے تو ایسا کرتے ہی ہیں جیسےکہ انہیں خواتین کے ساتھ بدتمیزی کی اجازت کا لائسنس حاصل ہے-بدقسمتی سے نوجوان لڑکیوں کو بتایا جاتا ہے کہ لڑکیاں ان چیزوں سے گزرتی ہیں وہ خاندان کی عزت کیلئے اسے برداشت کر لیں-

ایک اور دلچسپ بات شادی کی اہمیت ہے جسکا اندازہ مجھے ان نوجوان لڑکوں کے ساتھ کام کر کے ہوا- لڑکیوں کو کم عمری سے ہی شادی کی اہمیت سے آگاہ کرایا جاتا ہے کہ انکی آبرو کی حفاظت کتنی اہم ہے جبکہ لڑکوں کے ساتھ ایسا کچھ نہیں-اس عمر میں شادی کا ذکر تک نہیں-یہ بہت ہی دلچسپ موازنہ تھا کہ ہمارا سماج کیسطرح نوجوانوں کو انکی جنس کے لحاظ سے کام دیتا ہے-

کیٹ: اس موقع پر اسی بات کی روشنی میں ایک سوال کرنا چاہوں گی ؟میرے لیے یہ سوچ کہ لڑکے خاندان کے سربراہ بنتے ہیں اسلئے انکو نوعمری میں یہ سب آزادیاں میسر ہیں-کہیں ایسا تو نہیں کہ آگے جا کر یہی سوچ انکے لیے سزا بن جاتی ہے، عورتوں کا خیال رکھنا یا انہیں قابو میں رکھنا انکے لیے بوجھ بن جاتا ہے اور وہ اس ذہنیت کی مردانگی پر مجبور ہو جاتے ہیں؟

عمران: یہ بہت اہم سوال ہے کیونکہ وقت بدل رہا ہے اور بہت سے نوجوانوں کیلئے سماجی توقعات اور ذاتی خواہشات میں فر ق آ گیا ہے-
اب اکثر نوجوان کہتے ہیں میری بہن کی مرضی ہے وہ جو کرنا چاہے مجھے اعتراض نہیں-میں اسکی زندگی میں مداخلت نہیں کرونگا-میں چونکہ یہ دیکھتا ہوں اسلیئے میں کہونگا کہ مرد اور لڑکے بھی سربراہ/قبیلے کے بڑے کی مرضی پر چلنے والے خاندانی نظام سے بری طرح متاثر ہوتے ہیں- خاندانی عزت کی رکھوالی کا مطلب اکثر زبردستی کی شادی ہوتا ہے جس میں آپکی رضامندی شامل نہیں ہوتی اور وسیع خاندان کی ذمہداری بھی آپکے سر آ جاتی ہے-

جنوبی ایشائی لوگوں میں اکثرخاندان اکٹھا رہتا ہےاسی لیے کووڈ کے دنوں میں ہم نے دیکھا ان میں کووڈ تیزی سے پھیلا-آپکو بہت سے لوگوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے-کئ دفعہ یہ بوجھ بن جاتا ہے--آپکو دو متضاد دنیاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایک گھرپے اور دوسرا باہر معاشرے میں جہاں پہلے ہی آپکو قبول نہیں کیا جا رہا اور آپ اسکا حصہ بننے کی کوشش کر رہے ہیں-

آپکو خاندان/قبیلے کا سربراہ ہونے کے فوائد بھی نہیں ملتےاور جیسے ہی آپ گھر سے باہر قدم رکھتے ہیں تو اس رتبے کا رہا سہا برہم بھی جاتا رہتا ہے-میرے خیال سےمرد ہونا بوجھ بن جاتا ہےکیونکہ سوچ یہ ہوتی ہے کہ سربراہ کی حیثیت سے تو میرے یہ اختیارات ہونے چاہیں مگر جب پولیس،سوشل سروسز، تعلیمی یا روزگار کے اداروں سے واسطہ پڑتا ہےتو بقول انکے میں مرد ہی نہیں ہوں-

مونیکا: دلچسپ، میرے خیال میں کبھی کبھی مردانگی اور اختیار کا گمان غائب ہی ہو جاتا ہے۔یہ بڑا واضع ہے کہ اگر لڑکی اچھی بیٹی یا بہو ہے،گھر کوسنبھالتی ہے تو اسے سراہتے ہیں۔مگر اگر وہ یونیورسٹی جاناچاہے تو اعتراض اٹھتا ہے۔اگر بیٹا اچھا نہیں تواسکو سنوارنے کیلئے اس سے شادی پر آمادہ لڑکی بھی طاقتور بن جاتی ہے۔گھر والے اسکو پیسہ،بیگز اور بھی جو وہ چاہے دینے کیلئے تیارہوتے ہیں کیونکہ آخر یہ عزت کا معاملہ ہے۔

آپ نے شرم سے بچنے کی بات کی،ہم آپکو خواتین کی رائے بتائیں۔عورت پیدا ہوتےہی بیٹی،بہو،ماں، ساس یاپھر نانی دادی کے روپ میں دیکھی جاتی ہے۔ آپ ان کرداروں کے بیچ اپنے آپکو بچاتے رہتے ہیں۔آپکو محتاط ہونا پڑتا ہے کیونکہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی جس سےخاوند کی عزت پے حرف آئے تو پٹنا شرط ہے۔

عمران: جی ہاں میرے خیال میں یہ معاملہ دونوں طرف ہے۔کئ دفعہ مردوں کو خاندان کی عزت کی بقا کیلئے ایسا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

مونیکا: جی ہاں

عمران: کوئی اگر چھوٹے خاندان یا ذات سے ہو اورسماج میں کمزور ہو تو اسے بدنام کرنے کیلئے یہ حربہ آزمایا جاتا ہے۔بدقسمتی سے کئ مرتبہ وسیع خاندان میں عورتیں بھی اس منصوبے کا حصہ ہوتی ہیں۔ ہم گواہ ہیں کئ دفعہ شادی کے معاملات میں تھوڑی کم طابعدار بہو سے بدلہ لینے کیلئےخاندان کی کچھ عورتوں نے ایسا کیا۔

ہم عورتوں کیلئے ایک مرکز چلاتے ہیں جو ہمارے پراجیکٹ کا حصہ ہے۔ایسا اکثر ہوتا ہے خاص کر جہاں بیویاں دوسرے ممالک سے ہوتی ہیں اوراس ملک میں انکے رشتےدار کم ہوں۔وہ پیچھے چھوٹے یا کمزور گھروں سے ہوتی ہیں اور یہاں انکی عزت،پاسپورٹ، ہر طرح کا اختیار انسے چھین لیا جاتا ہے۔کئ دفعہ انہیں انگریزی بھی نہیں سیکھنے دی جاتی کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں۔

مونیکا: میں حقیقتاً یہ جاننا چاہتی ہونکہ آپکی رائے میں ایسی سوچ کہاں سے آئی ہے؟میرا تعلق ایک مسلم گھرانے سے ہے ،اسلامی تعلیمات اور قرآن سے میں نے تو یہی سیکھا ہے کہ مرد و عورت برابر کے حقوق رکھتے ہیں بلکہ کچھ معاملات میں توعورت کو زیادہ حقوق دیئے گئے ہیں۔رمضان کے دوران میں نے ایسی خبریں دیکھیں جہاں لڑکیوں نےلکھا تھا کہ ماہواری میں اللہ کیطرف سے روزے سے چھوٹ ہے تو پھر مردوں سے چھپانے کا کیا مقصد۔ٹک ٹاک پر بہتوں نےایساکہا ہے۔ اسکا مقصد

عورتوں کو کمزور دکھانا نہیں بلکہ یہ طبی لحاظ سے اہم ہے۔ مختصراً یہ کہ میری رائے میں اسلام مرد وعورت دونوں کو اختیار اور آزادی دیتا ہے۔

اسلیئے میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپکےخیال میں یہ سوچ کہ عورتوں کو قابو میں رکھنا ہے کہاں سے آئی؟ اس میں طاقت اور اختیار کا بڑا تضاد ہے،یقیناً دونوں طرف ایسا ہے۔مردوں کی رائے مجھ سےمختلف ہو گی آپ کیا کہتے ہیں؟

عمران: میری رائے میں چونکہ مذہب میں یکسانیت نہیں ہے اس پر ثقافت کا بڑا اثر ہے، اسلیئے یہ بھی مشکل پیدا کرتا ہے۔شرعیہ کورٹس میں بھی یہی مسئلہ ہے۔ان پر اکثر نسلی نژاد ممبران کا اثر و رسوخ ہوتا ہے۔ذاتی طور پرمیں ثقافت اور روایات کو ذمہدار سمجھتا ہوں۔ایک ایسا سماج جہاں کبھی مرد کمانے کیلئے گھر سے باہر جاتا تھا اور عورتوں کو اسکی اجازت نہ تھی خاص کرجنوبی ایشاء میں برطانوی راج کے دنوں میں، آجکل کے دور میں وہی روایات کیسے برقرار رہ سکتی ہیں۔

ہم اب اس سوچ سے نکل رہے ہیں،بریڈفورڈ میں خواتین ایک مسجد چلاتی ہیں۔اب مسلمان حقوقِ نسواں پر لکھنے والے جوان مسلمان لڑکیوں میں مقبول ہیں مگر لڑکوں میں نہیں۔وہ لڑکیوں کو جگا رہے ہیں۔

یہ اندازِ فکر کہ عورتیں عزت کے ذخیرے ہیں بدل رہا ہے، وہ اپنے اختیارات واپس لے کر مردوں کی منافقت کو للکار رہی ہیں۔

یہ تبدیلی آ رہی ہےمگر اتنی تیزی سے نہیں۔میری نظر میں اس کی جڑیں تہذیب وثقافت سے جُڑی ہیں ناکہ صرف جنوبی ایشاء سے۔دونوں جنسوں کے درمیان عدمِ مساوات کسی ایک سماجی گروہ یا تہذیب کا حصہ نہیں اسکو نسلی بنانا خطرناک ہو سکتا ہے۔

مونیکا: یقیناً میں آپسے اتفاق کرتی ہوں۔میرے خیال میں یہ عدمِ توازن مذہبی نہیں ہے بلکہ یہ کہ اس فرق کی ترجمانی کیسے کی جاتی ہے،سماج اور روایات کسی ایک وقت میں معاملات کو کیسے دیکھتے ہیں۔یہ میں اسلئے کہہ رہی ہوں کہ کسی معاملے کے حل میں لوگ اپنی مرضی سےکبھی مذہب اورکبھی سیاست کا حوالہ دیتے ہیں۔سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو جاتا ہے۔مزے کی بات ہے کہ میں اور کیٹ چند ہفتے پہلے ہی اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اختیار اور جنس کی جنگ ہر کسی میں ہے چاہے وہ لاشعوری ہو یا ظاہرہ۔آپ کسی بھی خاندان سے ہوں مخلوط نسل یا جنوب ایشائی،

خاندان میں کوئی ایک ایسا شخص ضرور ہو گا جو اس سوچ کا حامل ہو۔کیٹ کیا آپ اس بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی ؟

کیٹ: ہم جب بھی تہذیب و ثقافت پر مباحثے کرتے ہیں جہاں مرد کی عورت پر حاکمیت جتانا یا اسکے حقوق کو پامال کرنا شامل ہیں تو یہ امر قابلِ شناخت ہے کہ ایسا عالمگیر سطح پر ہو رہا ہے۔اسقاطِ حمل ہو یا عورت کو اپنے جسم کے ساتھ کیا کرنےکا حق ہے امریکہ میں یہ مذہبی بحث ہے،کہ یہ گناہ ہے اور اسے ممنوع قرار دیا جائے۔مگر پولینڈ جو ایک مختلف ملک ہے وہ بھی اسی سوچ کا حامل ہےکہ عورت کے بدن پر معاشرے کا، مرد کا حق ہے اور وہ اس معاملے میں حکم سادر کر سکتے ہیں۔

عمران: قانون سازی کر سکتے ہیں،جی ہاں بالکل۔

کیٹ: بدقسمتی سے ایسی سوچ ہر معاشرے اور ہر تہذیب کا حصہ ہے کہ خاندان/ قبیلے کا سر براہ اسکی عورتوں کا مختار ہے۔

عمران: میں یہاں نوآبادیاتی خمار کے بارے میں بھی بات کرنا چاہونگا۔یہ قابلِ ذکر امر ہے کہ ہم نوآبادیاتی نظام کے بعد کا معاشرہ ہیں۔ ہم سابقہ نوآبادیاتی لوگ ہیں جو1948 کے نیشنیلٹی قانون کیوجہ سے یہاں ہیں۔اسکے پیچھے ایک تاریخی کہانی ہےجو برطانوی راج کے خلاف بغاوت تک جاتی ہے اور اس وقت بہت سارے قدامت پسند عناصر تھے۔ان میں مسلمانوں کے دھڑے میں یہ سوچ عام تھی کہ برطانوی تعلیم اور زبان ممنوع ہونی چاہیےکیونکہ یہ ہندوستان کو تباہ کرنے کی سوچی سمجھی تدبیر تھی یا دوبارہ اکٹھے ہو کر ایک ملک بننے کی راہ میں روکاوٹ۔

ہمیں برطانوی راج اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف مضبوطی سے کھڑا ہونا ہے اور میرے خیال میں یہی باتیں قدامت پسند اسلامی سوچ کی شکل میں سامنے آئیں۔اسی اسلامی نظریہ فکر نےان روایات اور ثقافت کو جنم دیاجو آج ہمیں عورتوں کے گرد نظر آتی ہیں۔

بلاخرعورتوں کا گھلنا ملنا،یونیورسٹی جانااور اسیطرح کی چیزیں؛ان میں ڈر کا عنصر ہے۔خوف یہ ہے کہ اس ملاپ سے کیا ہو سکتا ہے۔اسکی جڑیں اس وقت سے جڑی ہیں جب آپ یقیناً برطانوی آفسر پر اعتبار نہیں کر سکتے تھے۔ انکی شبیہ تک خطرے کی علامت تھی۔ آپکی بیٹیاں شدید جنسی ہوس کا شکار بن سکتی تھیں۔میرے خیال میں یہی وہ جذبات ہیں جنہوں نے قدامت پسند روایات کو جنم دیا۔

کیٹ: یہ بہت دلچسپ اندازِ فکر ہے اور میں پوری طرح ان باتوں سے اتفاق کرتی ہوں، برطانوی نوآبادیاتی زمانےاور اسکے بعد کے وقت،خاندان کی سربراہی کی ذمہداری اور مذہب میں شدت پسندی جسکا آپ نے ذکر کیا ہے۔ دوسرا یہ وہ افراد تھے جنکوعظیم طاقت بتایا گیا تھا کہ وہ آپکو بچانے آئے ہیں جبکہ حقیقت اسکے برعکس تھی۔ برطانوی راج کی تاریخ سے ایک اور چیز جو ہمیں ملی ہے وہ لوگوں کی گروہ بندی ہے۔انکی نشاندہی کر دی جاتی تھی کہ آپ دنیا کے اس خطے سے تعلق رکھتے ہیں،انگریز قوم اسکے لئے بہت زیادہ قصوروار ہے۔حقیقت میں یہ نسلی تعصب ہے کیونکہ ان لوگوں کو نچلے درجے کا سمجھا جاتا تھا،اپنا ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ ہم وہاں جا کر پچاس سے سو سالوں کی حکومت میں انکی پیچیدہ روایات اور ثقافت کو سمجھ ہی نہیں پائے۔ اسلیئے میں پوری طرح سے آپکی ہم خیال ہوں۔

عمران: یقیناً۔ ایک ہندوستانی کی بجائے لوگوں کودراوڑی زبانیں بولے والوں میں تقسیم کر دیا گیا۔آرین

لوگوں کو فوقیت دی گئ کیونکہ انکو بچوں کیطرح بہلانا آسان تھا۔لہذا اعلی نصب برطانوی مردوں نے اپنی حفاظت کیلئے مضبوط مگر مہربان آرین کو کچھ انتظامی نوکریاں دے دیں۔

اسلیئے گرکا اور پنجابیوں کو برطانوی فوج میں نوکریاں ملیں جبکہ بنگلہ دیشی روشنخیال اور ذی فہم تھے اور انکی رنگت سانولی تھی۔اسلیئے وہ دراوڑی ہو گئے انکو ہندوستان کے نسلی تعصب والے معاشرے میں نچلا درجہ دیا گیا۔

یہ سب چیزیں بتاتی ہیں کہ ہم لوگوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔مونیکا اسکے بارے میں زیادہ بات کر سکتی ہیں لیکن نوآبادیاتی خمار ہی کیوجہ سے ہم خود کو ایسا دیکھتے ہیں۔جلد کی رنگت سے ہم سماجی گروہ بندی کرتے ہے پھر ہم کہتے ان لوگوں میں گھریلو ظلم و زیادتی کا رجحان ہے اور دوسری بہت سی چیزیں۔

کیٹ: یقیناً۔ اسلیئے میرا اگلا سوال آپ سے ہے کہ ان مشکلات کے بارے میں گفتگو کا آغاز کیسے کیا جائے ؟

عمران: یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ آجکل سوشل میڈیا اور اس جیسی فارمیٹس پر یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ کون ان مباحثوں میں حصہ لے رہا ہے؟ میں نے آن لائن چند مباحثوں میں سوشل میڈیا فورم پرحصہ لیا جنکے موضوعات میں "مردانگی ،مواجے/انٹرفیسز کی دوڑ اور مختلف راستے/دوراہے" شامل ہیں۔اگلے روز میں نے ایک خاتون جو اس مباحثے میں شامل تھیں اور میں انسے بات چیت کر رہا تھا سےسوال کیا تو وہ کہنےلگیں کہ ایک خاتون کا خیال ہے کہ وہ آپکے ساتھ بیٹھ کر

جنسی تنازعہ پر بات کرنے کی بجائے مرنا پسند کریں گی۔ یہ بات آپکو سمجھانے کیلئے کافی ہے کہ حقیقتاً ہم کہاں کھڑے ہیں۔
کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بحث سکول کی سطح پر ہونی چاہیے مگر ان دنوں سکولوں کی تعلیم پر سیاسی اثر بڑھ گیا ہے۔جس نے ان سماجی گرہوں کو معاشرے سے کاٹ دیا ہے جنکے ساتھ ہمیں بہتر رابطے رکھنے کی ضرورت تھی۔ذاتی طور میں یہ سمجھتا ہوں کہ لوگوں میں بولنے کی جرأت ہونی چاہیے اور انہیں بولنے کی دعوت دینی چاہیے۔تاکہ لوگوں کی رائے معلوم ہو۔
کیٹ: بےشک آپ کسی کا ذہن تو نہیں پڑھ سکتے لیکن ان باتوں پر بحث کرنے میں کیا روکاوٹیں ہیں؟ کیا اس میں شرم کا عنصر ہے؟یا کہ لڑکے اور مرد سنیں گے نہیں؟ اس بات کو سنجیدگی سے نہیں لیں گے؟ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وجوہات کیا ہیں۔
عمران: جی ہاں یہ باتیں وجوہات کا حصہ ہیں اور یہ بھی کہ انہیں سنجیدگی سے نہیں لیا جائے گا لیکن بنیادی چیز گفتگو کرنے کی اہلیت ہے۔مجھے اپنے کام سے اندازہ ہے کہ عموماً بزرگوں کیلئے ایسی گفتگو بڑی مشکل ہے۔یہی نہیں عموماً ہر طرح کی گفتگو۔ یہ وہ نسل ہے جنہیں مردانگی کا مطلب سکھایا گیا ہے کہ اپنے تجربات اور جذبات کو چھپائیں،جھگڑے سے بچیں،اپنا غرور اونچا رکھیں۔ اسلیئے مردانگی کے بارے میں ایسی سوچ رکھنے والوں کے ساتھ بات چیت بڑی مشکل ہے۔
ہمیں کئ بار گھوما پھرا کر بات کرنی پڑتی ہے۔شاید سیاسی مسئلے سے شروع ہوں پھر اسے کاٹ کر اس بحث کیطرف آئیں۔مثلاً آجکل فلسطین اور اسرائیل کا موضوع۔ہر کوئی اسکے بارےمیں بات کر رہا ہے لیکن یہ دلچسپ ہے۔ آپ "شناخت ،جنسیت اور صنف جیسے مسائل پر بات چھیڑ سکتے ہیں۔

آج پڑوس میں نوجوان خاتون کو کمر میں گولی لگی۔یہ خوفناک بات ہے مگر انکے لیے خصوصاً جنکے لیے عورتیں عزت کا ذخیرہ ہیں کوئی " ہماری عورتوں" کے ساتھ ایسا کرنے کی جرأت کوئی کیسے کر سکتا ہے۔
اب یہاں سے آپ گفتگو کا رخ موڑ سکتے ہیں کیونکہ" ہماری عورتیں" کیسے مذہب سے ،ذاتی شناخت سے اورتہذیب وتمدن سےجڑی ہیں۔ تب آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بری گفتگو نہیں۔اس سے آپ مذید گہری بحث میں جا سکتے ہیں۔
مگر یہ بہت مشکل اسلیئے ہے کہ وہ یہاں صرف کام کرنے آئے تھے اور انہوں نے یہی کیا خاص کر محنت کش طبقہ۔اگر آپ درمیانے طبقے اور پڑھے لکھے خاندان سے ہیں جو کہ برطانیہ میں کم ہی ملتا ہے۔اگر آپکا تعلق ایسے پس منظر سے ہے تو آپ بریڈفورڈ میں نہیں آئے۔تب آپ نیویارک یا امریکہ کے کسی حصے میں گئے ہو نگے۔ جاگیرداروں کے کسانوں کو تو برطانیہ کے پاسپورٹس دیئے گئے تھے۔اپنے جذبات یا مشکل خیالات کے بارے میں بات کرنا انکی اہلیت میں نہیں تھا۔

کیٹ: یہ ضبط والی سوچ تو میرے خیال میں نسلی امر ہے کیونکہ دوسری تہذیبوں میں بھی ایسا ہی ہے-جیسا آپ نے کہا سر نیچے کیے کام کرتے جاؤ، محنت کروکچھ بنو مگر شکایت نہ کرو-
عمران: جی ہاں ایسا ہی ہے کیونکہ آپکو معلوم ہے کہ خاموشی طاقت ہے-جبکہ نئی نسل کہتی ہے کہ نہیں میں تو شکایت کرونگی-میرے والد کہا کرتے تھےکہ تم "دوسرا گال آگے کر دو"محاورہ جانتے ہو-ہم جس دور میں جوان ہوئےہم ایسا کرتےکرتے تھک گئے تھے-ہمیں مسلسل نسلی تعصب کا سامنا کرنا پڑتا تھا اسیلئے ہماری نسل پیچھے رہ گئ-اسکا نتیجہ ہے کہ اب نوجوان نسل نئی سوچ کی مالک ہے،وہ اپنے لیے محدود پیشوں،محدود رہائشی جغرافیائی مقامات اور زندگی کے نئے تجربات کا راستہ کھول رہی ہے-
میرے خیال میں لوگ جتنا معاشروں کے بیچ گھومیں اور گھلے ملیں گے،نئے خیالات کا شعور پیدا ہو گا-
اسکا مطلب یہ نہیں کہ محنت کش طبقے میں اسکی اہلیت نہیں مگر انکو اسکا موقع نہیں دیا جاتا-
کیٹ: آپ مستقبل اور جو تبدیلیاں آ رہی ہیں انکے بارے میں پرامید نظر آتے ہیں-
عمران: یقیناً میں ہر بار نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں سے متاثرہوتا ہوں-چاہے وہ مشکل فلسفہ ہو ہیگل کے بارے میں یا کہ معاشرے میں انکا اپنا مقام کیا ہے- جنسی رجحان سےلے کر سیاست تک ہر چیز کے بارے میں انکی رائے سنتا ہوں- ان موضوعات پر گفتوشنید ہو رہی ہے لیکن معاشرتی میل جول کا اس میں بڑا ہاتھ ہے- بدقسمتی سے معاشرتی طبقہ لوگوں کے ملاپ کو محدود کرتا ہے-
کیٹ: معاشرتی طبقہ اس پر ہم ایک پورا پاڈ کاسٹ کر سکتے ہیں؟یہ مجھے آخری سوال کیطرف لاتا ہے-آپ مدد حاصل کرنے کیلئے کیا مشورہ دیں گے؟
عمران: یہ اہم سوال ہے-اگر اسکا جواب میں اپنے پیشے کے حوالے سے دوں جو کہ دماغی صحت ہے تو میں کہونگا لوگ اسکا فیصلہ اپنی سماجی روایات کے مطابق کرتے ہیں-
اسکے پیچھے مذہبی سوچ ہوتی ہے لہذا وہ ذہنی صحت کے مسائل کو سماجی روایات کے حوالے سے دیکھتے ہیں-انکے خیال میں عام مدد کرنے والے ادارے انکے مسائل کو نہیں سمجھ سکتے اور انکا مذاق بن جائے گا-
وہ اکثر غیر سائنسی طریقوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ مسئلے کا حل/علاج ہو سکے-پہلے وہ مسجد میں کسی مذہبی بالا دستی والے شخص سے مدد مانگ سکتے ہیں-ہمیں اپنی تحقیق سے یہ پتا چلا ہے کہ جنوبی ایشائی لوگ اپنے ہی جیسے سفید لوگوں کی نسبت تقریباً تیرہ سال بعد ذہنی صحت کی علاج والی سروسز کی نظر میں آتے ہیں- تیرہ سال ایک لمبا عرصہ ہے اس دوران کافی نقصان ہو چکا ہوتا ہے-وہ اکثر کافی بری حالت میں آتے ہیں-
ہمیں فرنٹ لائن سروسز کو بہتر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ جنوبی ایشائی لوگوں،سیاہ فام لوگوں کے ساتھ کام کر سکیں-انھوں نےنسلی تعصب اور عدم مساوات کا سامنا کیا ہے- یہ ہمیشہ انکے لیے دکھ اور تکلیف کا باعث ہے کیونکہ یہ دماغ سے نہیں نکلتا-اکثر لوگ شعوری طور پر یقین نہیں کر پاتے کہ

"یہ مدد واقعی میں انکے لیے ہے" اور جو لوگ یہ مدد مہیا کر رہے ہیں انکی سروس میں صداقت ہے۔

میرے خیال میں ہمارے سماجی گروہوں اورخیراتی اداروں کو رقم لگا کر زیادہ سروسز فراہم کرنی چاہییں۔ ہمارے پاس ذہنی صحت کے مسائل کے ساتھ کام کرنیوالے ڈاکٹر اور پیشہ ور لوگ موجود ہیں جو ان گروہوں کے ساتھ بہت اچھا کام کر سکتے ہیں۔

شمالی برطانیہ میں جنوب ایشائی گروہوں میں جنسی روابط سے پھیلنے والی بیماریوں کی شرح بہت زیادہ ہے۔ رازداری سےحمل گرانے کی شرح بھی بہت زیادہ ہے کیونکہ آپ خاندان کو نہیں بتا سکتے۔ہمیں معاشرے میں ان گروہوں کو محفوظ،خفیہ اور صحیح مدد فراہم کرنے کی کوشش کرنے والی سروسز کی ضرورت ہے۔بجائے اسکے کہ وہ ایسی مدد لیں جو انکی جسمانی اورجذباتی صحت کیلئے اچھی نہیں۔اس مدد کا ایک پہلو انکو یہ تعلیم دینا بھی ہے کہ ایسی مدد کے دروازے خود پر بند نہ کریں۔

کیٹ: یہ ایک طرح سے ہماری صف اول کی سروسز کیلئے اجتماعی پکار ہے کہ وہ اپنے کام کو بہتر بنائیں اور مخصوص سروسز کے بارے میں مزید جانیں۔ ذہنی صحت کے بارے میں مدد حاصل کرنے میں جو مذہبی/سماجی ممانعت ہے ان روکاوٹوں کو توڑنے کی کوشش کریں۔

عمران: یقیناً اور یہ بھی کہ ان میں زیادہ تر روحانی علاج کا تصور ہے گو سب میں نہیں۔بنیادی طور پر انکے خیال میں غیر مذہبی سائنسی طریقے کام نہیں کرتے کیونکہ آپکو درد برداشت کرنا پڑتا ہے۔دکھ اورتکلیف دہ یادوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے،جو کافی مشکل ہو سکتا ہے۔جبکہ یقیناً روحانی بابا اسکو میرے دماغ سے نکال کر صفائی کر دیں گے۔

ہمیں اپنے سماجی فرقوں کو بہتر سروسز دینے کی ضرورت ہے۔میں ایسے مردوں کے ساتھ کام کرتا ہوں جنہوں نے بچپن سے ہی بہت دکھوں کا سامنا کیا ہوتا ہے میں انسے کہتا ہوں کہ آپکو شرمندہ ہونیکی ضرورت نہیں۔ شرم تو جرم کرنیوالے کو آنی چاہیے جس نے یہ حرکت کی۔اسلیئے مدد حاصل کریں۔اس ملک میں بہترین ادارےہیں۔بے شک میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں" خاموشی توڑ یئے"
میری ویب سائٹ ہے www.breaking-the-silence.org.uk اسکے علاوہ "سروائیور مانچسٹر" اور "سیف لائن" ہیں۔بہت سے ادارے اچھا کام کر رہے ہیں ان سے بات کر کے مدد لیجئے۔

مونیکا: ہم یہی کہہ رہے ہیں کہ جو موجود ہے وہ پوری طرح سے غلط نہیں،مگر کچھ طریقہ کار سوالیہ ہیں جو کہ انسانی شناخت، عزت نفس، اورانکی حفاظت کیلئے نقصان دہ ہیں۔عمران میں آپکا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی اس سب کو اکٹھا کر کے سمجھانے کیلئے کیونکہ یہ کافی مشکل کام ہے۔ پھر سے شکریہ بہترین سیشن کیلئے۔

ثام: اسکے ساتھ ہمارا پاڈکاسٹ اختتام کو پہنچا۔امید ہے کہ اسکے ذریعے کچھ یکسانیت اور رویے جو نقصانده ہیں، کے بارے میں آپکی معلومات میں اضافہ ہوا ہو گا۔وہ پروفیشنل جو اقلیتوں کے ساتھ

کام کرتے ہیں انکو یہ جان کر فائدہ ہو گا کہ کچھ یقین اور رویوے کتنے گہرے ہیں اور انکے انسانی چناؤ اور کاروائیوں پر کیا اثرات ہیں۔

مونیکا: سننے کیلئے شکریہ۔ تمام ذرائع اور سروسز جنکا ذکر ہوا ہے بیانیے میں لکھ دیئے جائیں گے۔

کیٹ: اگر آپکو یہ پاڈکاسٹ پسند آیا ہو تو اسے دوسروں کے ساتھ شئیر کریں اور سوشل میڈیا پر بھی ڈالیں۔ ہمارے اور پاڈکاسٹ بھی آنے والے ہیں انکے لیے دھیان رکھیے۔تب تک محفوظ رہیئے،گفتگو میں حصہ لیجئے اور آگاہی جگائیے۔

(مترجم: مصباح رشی)